درس ۱۴

مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی

کے رہنما اصول

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

(۵)

'اسلام' اور 'ایمان'

میں فرق وتفاوت

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم   بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴ ﴾

"یہ بدّو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبی ﷺ) ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں (یعنی ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے) جبکہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ تاہم اگر تم اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تمہارے اعمال (کے اجر وثواب) میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔"

یہ بات نوٹ فرما لیجئے کہ ایک خاص مضمون کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کی اہم ترین آیت ہے' اور وہ خاص مضمون ہے ایمان اور اسلام کا فرق۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر

"ایمان و اسلام" اور "مؤمن و مسلم" ہم معنی اور مترادف الفاظ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جو کوئی مؤمن ہے وہ مسلمان ہے اور جو کوئی مسلمان ہے وہ مؤمن ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے انگریزی میں ہم کہتے ہیں :

Call the rose by any name, it will smell as sweet

اس لئے کہ ایمان ایک باطنی کیفیت ہے جبکہ اسلام اس کا عالم واقعہ میں ظہور ہے۔ اب جس شخص میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں' دل میں ایمان بھی ہے' عمل میں اسلام بھی ہے' اسے آپ چاہے مؤمن کہیں' چاہے مسلم کہہ لیں' کوئی فرق نہیں واقع ہو گا۔ لیکن یہاں آپ نے الفاظِ قرآنی اور ان کا ترجمہ ملاحظہ کیا کہ اس آیۂ مبارکہ میں ان دونوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل لایا گیا ہے اور ایک معین گروہ کے دعوائے ایمان کی پر زور نفی کی گئی ہے۔ "لَمْ تُؤْمِنُوْا" میں میں نہایت مؤکد نفی ہے' اسی لئے میں نے ترجمہ میں لفظ "ہرگز" کا اضافہ کیا ہے کہ "تم ہرگز ایمان نہیں لائے" ـــــ عربی زبان میں فعل ماضی میں نفی پیدا کرنے کے لئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماضی ہی پر "ما" کا اضافہ ہو جائے' جیسے مَا اٰمَنْتُمْ "تم ایمان نہیں لائے ہو"۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ فعل مضارع پر "لَمْ" داخل کیا جائے۔ یہ تاکید کے لئے ہوتا ہے۔ لَمْ تُؤْمِنُوْا "تم ہرگز ایمان نہیں لائے"۔ بات مکمل تھی' لیکن اسے یہ فرما کر مزید مؤکد کیا گیا : ﴿ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ "اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"۔ وہ تو صرف تمہاری زبانوں پر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں ایمان کی تو نہایت مؤکد' نہایت تاکیدی اسلوب سے نفی ہو گئی' بایں ہمہ ان کا اسلام تسلیم کیا جا رہا ہے : ﴿ وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا... ﴾ "البتہ تم کہہ سکتے ہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں (ہم مسلمان ہو گئے ہیں' ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے"۔ اس لئے کہ اسلام کے لفظی معنی ہیں to surrernder اور to give up resistance۔ یعنی مقابلہ و مقاومت اور مخالفت و مزاحمت چھوڑ کر سر تسلیم خم کر دینا۔ اسے فارسی میں کہا جائے گا "گردن نہادن"۔ تو فرمایا گیا کہ یہ بدو کہہ سکتے ہیں کہ ہم اسلام لے آئے ہیں یعنی ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے۔

آگے فرمایا گیا : ﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ﴾ یعنی اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر کاربند رہو گے تو تمہارے اعمال قبول کر لئے جائیں گے' ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ تمہارا اسلام تسلیم

ہے' لیکن اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ایمان لے آئے ہو تو یہ تمہارا بڑا مغالطہ ہے' اس کی تصحیح کر لو۔ آیت کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ پر : ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ "یقیناً اللہ نہایت بخشنے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے"۔ یعنی یہ جو رعایت دی جا رہی ہے کہ قلبی ایمان کے بغیر تمہارے اسلام اور تمہاری اطاعت کو قبول کرنے اور تمہاری مغفرت کرنے' تم پر رحم فرمانے کی بشارت دی جا رہی ہے' وہ اس کی شانِ غفاری و رحیمی کے طفیل ہے۔ اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

آیہ مبارکہ کی تاویل خاص

اب ہم ذرا دو پہلوؤں سے اس آیت پر غور کریں گے۔ پہلے تو ہم اس پہلو سے اس آیت مبارکہ کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جسے تاویل خاص کہتے ہیں' یعنی قرآن مجید کے زمانۂ نزول اور اس آیت کے پس منظر کے حوالے سے سمجھا جائے کہ وہ کون لوگ تھے جن سے یہ خطاب ہو رہا ہے۔ اس بات کی تفہیم کے لئے سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے جو مختلف ادوار ہیں' ذرا ان کو ذہن میں لائیے۔ جب تک حضور ﷺ مکہ میں تشریف فرما رہے' سب کو معلوم ہے کہ مسلمان کمزور تھے' کفر کا غلبہ تھا۔ جو شخص اسلام قبول کرتا تھا اسے ستایا جاتا تھا' طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں اور ہر قسم کے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ لہٰذا صرف وہی شخص زبان پر کلمۂ شہادت لاتا تھا جس کے دل میں یقین کامل پیدا ہو چکا ہوتا تھا ـــــ اتنا پختہ یقین کہ وہ اس کلمۂ حق کی ادائیگی پر اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے ہمہ وقت تیار ہوتا تھا ـــــ اتنا گہرا یقین کہ وہ اس کلمۂ شہادت کو ادا کرنے پر دنیا کی ہر شے کو تج دینے کے لئے ہر وقت آمادہ ہوتا تھا۔ جب اس درجے میں اس کے دل میں اللہ پر' اس کی توحید پر' حضور ﷺ کی نبوت و رسالت پر اور بعث بعد الموت' حشر و نشر' جزا و سزا پر ایمان جاگزیں ہو جاتا تھا تب وہ کہتا تھا : اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ـــــ یعنی وہاں ایمان پہلے تھا اور اسلام بعد میں آیا۔ لیکن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے تب حالات بدل گئے۔ اب اسلام کے غلبے کا دور شروع ہوا۔ یثرب جو بعد میں مدینۃ النبی بنا' پہلے ایک "شہری ریاست" تھی' پھر یہاں اسلام کا غلبہ بڑھتا چلا گیا۔ لہٰذا جیسے جیسے حالات بدلتے چلے گئے اور اسلام ایک غالب قوت کی حیثیت اختیار کرتا چلا گیا ویسے ویسے مکی دور والی کیفیت

بھی بدلتی چلی گئی۔ اب ان مصائب و شدائد سے سابقہ پیش آنا ختم ہو گیا جن کا سلسلہ مکّہ میں بارہ تیرہ سال جاری رہا تھا۔ اس تبدیل شدہ صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ کچے پکے لوگ بھی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اب چونکہ کسی تشدد اور جور و تعدی کا کوئی خطرہ موجود نہیں تھا' لہٰذا لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ اَوس و خزرج کے پورے کے پورے قبیلے ایمان لے آئے۔ ظاہر بات ہے کہ چشم زدن میں ان کے دلوں میں حقیقی ایمان جاگزیں نہیں ہو جاتا تھا' چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ میں منافقین کی ایک جماعت کا ظہور ہونا شروع ہوا۔

پھر فتح مکہ کے بعد صورتِ حال بالکل بدل گئی۔ اب تو گویا عرب میں سب سے بڑی طاقت رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ جب قریش شکست کھا چکے اور طائف کے دو مضبوط قبائل ہوازن اور ثقیف بھی مغلوب ہو گئے تو اب عرب میں اور کون تھا جو جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے مدِّ مقابل آتا۔ لہٰذا تمام قبائل عرب میں ایک رو چلی۔ سب نے اپنی اپنی جگہ طے کیا کہ نبی اکرم ﷺ سے مقابلہ کرنے اور آپؐ کی مزاحمت کرنے کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے' اب ہم آپ ﷺ کی پیش قدمی میں مزاحم نہیں ہو سکتے' لہٰذا خود ہی مدینہ چلیں اور محمد ﷺ کی اطاعت قبول کرلیں —— یہ ہے وہ نقشہ جو آخری پارے کی سورۃ النصر میں آتا ہے کہ : ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○﴾ کبھی یہ عالم تھا کہ مکہ میں مہینوں میں چند لوگ ہی ایمان لائے ہوں گے اور اب یہ منظر ہے کہ ہزاروں افراد کا نمائندہ وفد دفعتاً آیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا' یا بالفاظ دیگر اطاعت تسلیم کرلی۔ لیکن اس کے معنی یہ تو نہیں ہیں کہ اس اجتماعی فیصلے کے نتیجے میں ان کے دلوں کی کیفیت بھی چشم زدن میں بدل گئی ہو۔ لہٰذا اب ایسے لوگ بھی وجود میں آ گئے جو مسلم تو ہیں' جنہوں نے اطاعت قبول کرلی ہے' جو کلمۂ شہادت ادا کر رہے ہیں' لیکن "مؤمن" ہونے کی کیفیت ابھی انہیں حاصل نہیں ہوئی۔

یہ بات پیش نظر رکھئے کہ جتنے قبائل بھی ایمان لائے ان میں سب کی کیفیت یہ نہیں تھی۔ البتہ کچھ لوگ یقیناً ایسے بھی تھے جن سے یہ خطاب ہو رہا ہے۔ اعراب یعنی بدوؤں کے بارے میں سورۃ التوبہ کی آیت نمبر۹۹ میں یہ وضاحت موجود ہے :

﴿ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ

عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

"اور بدوؤں' بادیہ نشینوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور یوم آخر پر پختہ یقین رکھتے ہیں اور وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اور رسول (ﷺ) سے دعائیں لینے کا ذریعہ بنانے کے لئے۔ یاد رکھو' ان کا خرچ کرنا بے شک موجب قربت ہے۔ اللہ ان کو ضرور اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بے شک اللہ نہایت مغفرت فرمانے والا' بڑا رحم فرمانے والا ہے"۔

یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سب بدو ایسے نہیں تھے۔

تاویل عام کے اعتبار سے ہمارے لئے نوید جاں فزا

اب ذرا اس آیت مبارکہ پر تاویل عام کے اعتبار سے غور کیجئے۔ اب اگر ہم اپنی صورتِ حال پر غور کریں گے تو ہمیں محسوس ہو گا کہ ہماری عظیم اکثریت کا معاملہ بھی یہی ہے۔ ہم نے اپنے انتخاب (choice) سے تو ایمان قبول نہیں کیا' ہمیں دولت ایمان سوچ سمجھ کر' اپنے فیصلے سے حاصل نہیں ہوئی' بلکہ ہمیں تو اسلام ورا ثتاً ملا ہے۔ وہاں فتح مکہ کے بعد ایک رو چلی تھی کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ یہاں ایک نسلی تسلسل ہے' ایک سلسلہ ہے جو نسل کی وجہ سے منتقل ہو رہا ہے۔ تو ہم میں سے بھی اکثر و بیشتر درحقیقت اس آیت کا مصداق ہیں۔ اِلاَّ مَاشَاءَ اللّٰہُ' جن کو اللہ تعالیٰ حقیقی و قلبی ایمان و ایقان کی دولت نصیب فرما دے۔ اور بہرحال ایسے افراد ہر دَور میں موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں' لیکن اگر ہم اکثریت کو سامنے رکھ کر غور کریں گے تو معاملہ اسی مقام پر نظر آئے گا کہ اسلام ہے' کلمۂ شہادت ہے' لیکن دلی یقین والی کیفیت شاذ و نادر ہی نظر آئے گی ــــــ وہ یقین جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

یقیں پیدا کر اے ناداں! یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری!

تو یہ یقین عنقا ہے۔ یہ وہ شے ہے جو شاذ شاذ ہی نظر آتی ہے۔

اب اگر ہم اس صورتِ حال کو سامنے رکھ کر اس آیت پر مزید غور کریں تو ایک بات ہمارے لئے بڑی امید افزا اور نوید جاں فزا ہے کہ جیسے ان بدوؤں سے کہا گیا کہ اگر تم

اپنے سینوں میں جھانکو اور تمہیں محسوس ہو کہ وہ یقین والی بات حاصل نہیں ہے تو بھی مایوس نہ ہو ـــــ "اگر تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت پر کاربند رہو گے تو ہم تمہارے اعمال میں کچھ کمی نہیں کریں گے"۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑی رعایت ہے۔ غور کیجئے کہ اگر منطقی اور اصولی طور پر بات سمجھی جائے تو وہ یہ ہو گی کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہونا چاہئے' لیکن یہاں رعایت دی جا رہی ہے کہ کوئی شخص اپنے دل کو ٹٹولے اور محسوس کرے کہ یقین والی کیفیت موجود نہیں ہے تو بھی مایوس نہ ہو۔ اس حالت و کیفیت میں بھی اگر تم اطاعت پر کاربند رہو گے' نافرمانیوں سے بچو گے تو ہم تمہارے اعمال قبول کر لیں گے۔ ان میں کوئی کمی اور کٹوتی نہیں کریں گے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ آیت کا اختتام اللہ تعالیٰ کی کن صفات پر ہو رہا ہے! فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ ﴾ "یقیناً اللہ غفور ہے' رحیم ہے"۔ یہ اس کی شانِ غفاری کا صدقہ اور اس کی شانِ رحیمی کا مظہر ہے کہ وہ تمہارے ساتھ یہ نرمی برت رہا ہے اور تمہیں یہ رعایت دے رہا ہے کہ ایمانِ حقیقی اور یقین قلبی میسر نہ ہو تب بھی اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو گے تو تمہارے اعمال قبول کر لئے جائیں گے' تمہارے اجر و ثواب میں ذرہ برابر کوئی کمی اور کٹوتی نہیں ہو گی: ﴿ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ ﴾

جزوی اطاعت کی حقیقت

البتہ اس میں ایک انتباہ بھی ہے کہ اسے کہیں انسان اپنے لئے ایک کھلا لائسنس نہ سمجھ لے' کھلی چھٹی نہ سمجھ بیٹھے۔ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ حقیقی ایمان کے حصول کی کوئی کوشش ہی نہ کرے۔ اس لئے کہ از روئے قرآن مغفرت کے لئے کُلّی اطاعت مطلوب ہو گی۔ جزوی اطاعت' اطاعت نہیں ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعض احکام کو مان لینا اور بعض احکام کو ترک کر دینا' بعض کو سر آنکھوں پر رکھنا اور بعض کو پاؤں تلے روند دینا' یہ اطاعت نہیں ہے۔ یہ جسارت ہے' یہ ڈھٹائی ہے' یہ گستاخی ہے' یہ اللہ کے ساتھ تمسخر و استہزاء ہے۔ وہ جو کہتے ہیں "بازی بازی باریش بابا ہم بازی!" یہ کھیل تم اللہ کے ساتھ کھیل رہے ہو! یہ مذاق تم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کر رہے ہو! نماز پڑھنے کا حکم کس کا ہے؟ اللہ کا! وہ تو ہم پڑھیں گے۔ اللہ ہی کا حکم ہے روزہ رکھو' ہم رکھیں

گے' اللہ ہی کا حکم ہے کہ رشوت نہ لو' لیکن اُسے ہم نہیں مانیں گے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ یہ کہ اللہ کے بعض احکام کو تو سر آنکھوں پر رکھا اور بعض کو پاؤں تلے روند دیا۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ یہ جسارت ہے' ڈھٹائی ہے' اللہ کے جناب میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ اس پر سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۵ میں شدید تنبیہ کی گئی ہے۔ فرمایا :
﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ "کیا تم ہماری کتاب (اور شریعت) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک حصے کو نہیں مانتے؟" ـــــ سود کی حرمت بھی تو اسی قرآن میں ہے۔ رشوت لینے اور دینے سے منع بھی تو اسی شریعت اسلامی نے کیا ہے جس میں فرض عبادات کا حکم ہے ـــــ یہ رویّہ اور روطیرہ اختیار کرنے والوں کے لئے آگے وعید آئی ہے : ﴿فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ "پس کوئی سزا نہیں ہے اس شخص کی جو تم میں سے یہ طرزِ عمل اختیار کرے گا سوائے اس کے کہ اسے دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار کر دیا جائے" ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ "اور قیامت کے دن انہیں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا' اور جان لو کہ اللہ غافل اور بے خبر نہیں ہے اس سے جو تم کر رہے ہو"۔ تم لوگوں کو دھوکہ دے سکتے ہو' تم لوگوں کی زبانیں بند کر سکتے ہو لیکن اللہ سے کوئی چیز چھپا نہیں سکتے۔

تو یہ ہے نہایت زوردار انتباہ۔ کسی وقت کوئی خطا ہو جائے تو وہ بات اور ہے ـــــ جذبات میں مغلوب ہو کر انسان کوئی غلطی کر بیٹھے تو یہ بات اور ہے۔ وہ فوراً رجوع کرے گا' توبہ کرے گا۔ توبہ پر ہماری ان مجالس میں بڑی تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ میں مثال دیا کرتا ہوں کہ آپ راہ چلتے ہوئے کہیں پھسل کر کیچڑ میں گر جائیں تو وہاں پڑے نہیں رہتے' بجلی کی تیزی سے اٹھتے ہیں۔ یہی معاملہ توبہ کا ہے۔ انسان کا پاؤں پھسل سکتا ہے' لغزش ہو سکتی ہے' انسان کسی معصیت میں' کسی گناہ میں' کسی غلط کام میں ملوث ہو سکتا ہے۔ ماحول کے کچھ وقتی اثرات غالب آ جائیں' کسی وقت نفس میں کوئی طوفان آ گیا ہو جس کے باعث آپ کے حواس مختل ہو جائیں' آپ جذبات کی شدت سے مغلوب ہو جائیں اور آپ کوئی غلط کام کر بیٹھیں' تو اگر اللہ کا خوف دامن گیر ہے' خدا ترسی ہے' آخرت کا استحضار ہے تو آپ ہوش میں آتے ہی رجوع کریں گے' پلٹیں گے' ندامت اور

پشیمانی کا اظہار کریں گے۔ آپ اپنی خطا کا اللہ کے سامنے اقرار کریں گے' سچے دل سے توبہ کریں گے' گڑگڑا کر اس سے استغفار کریں گے' اس سے عفو کے طالب ہوں گے۔ آپ کی اس روش کے جواب میں آپ کے ساتھ معاملہ یہ ہو گا ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

وقتی طور پر خطا کا صدور ہو جانا' کوئی گناہ کر بیٹھنا' کسی معصیت کا ارتکاب ہو جانا بالکل دوسری بات ہے' لیکن کسی معصیت پر مستقل ڈیرہ لگا کر بیٹھ جانا' اپنی زندگی میں کسی حرام کام کو مستقل طور پر جاری رکھنا' یہ بالکل وہی بات ہے کہ : ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَ تَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ ـــــ اس وطیرے اور رویئے پر جو وعید آئی ہے اس کے تناظر میں آپ نے محسوس کر لیا ہو گا کہ ہم جو یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

یعنی ہم دنیا میں کیوں ذلیل و رسوا ہو گئے اور اس ذلت و رسوائی میں اضافہ کیوں ہوتا چلا جا رہا ہے؟ تو اس کا جواب سورۃ البقرۃ کی اسی آیت میں موجود ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ہم نے شریعت اسلامی کے حصے بخرے کر رکھے ہیں کہ ایک کو مانیں گے' ایک کو نہیں مانیں گے۔ اسی گستاخانہ رویئے کی سزا بیان ہوئی : ﴿خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا﴾ "دنیا کی زندگی میں رسوائی' ذلت اور خواری"۔ یہی سزا ہے جو ہمیں مل رہی ہے اور اسی رویئے کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو آخرت کے عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری و رحیمی کے سہارے اگر چھٹکارا مل جائے تو بات دوسری ہے۔

اسلامی معاشرے میں "ایمان" اور "اسلام" کی اہمیت

اس آیت مبارکہ کے بارے میں اب آخری بات نوٹ کیجئے۔ اپنی جگہ پر اس کا یہ مضمون بہت اہم ہے کہ اس میں اسلام اور ایمان کو علیحدہ کر دیا گیا ـــــ اور اس مضمون کے اعتبار سے یہ آیت قرآن مجید کی چوٹی (Climax) اور ذروۃ السنام ہے ـــــ اب سوال یہ ہے کہ سورۃ الحجرات میں مسلمانوں کی حیات ملی کے جو مضامین آ رہے ہیں' ان سے اس بحث کا ربط و تعلق کیا ہے! اس لئے کہ ہر سورۃ کا جو مرکزی مضمون ہوتا ہے اس

سورۃ کی تمام آیات اس کے ساتھ مربوط ہوتی ہیں ـــــــ وہ ربط یہ ہے کہ چاہے مسلمانوں کے معاشرے میں شمولیت و شرکت کا معاملہ ہو' چاہے اسلامی ریاست کی شہریت کا معاملہ ہو' ان دونوں کی بنیاد اسلام ہے' ایمان نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ تو قانونی معاملہ ہے۔ ایک مسلمان مرد کی شادی ایک مسلمان عورت سے ہو سکتی ہے اور ایک مسلمان عورت کا نکاح صرف ایک مسلمان مرد سے ہو سکتا ہے۔ مسلمان باپ کی وراثت مسلمان اولاد ہی کو منتقل ہو سکتی ہے۔ یہ خالص قانونی مسئلہ ہے۔ اسلامی ریاست کا شہری مسلمان ہو گا۔ اسلام اس شہریت کی بنیاد ہے۔ لہٰذا طے کرنا پڑے گا کہ کون مسلمان ہے' کون نہیں ہے۔ جبکہ جہاں تک ایمان کا تعلق ہے تو وہ ایک باطنی کیفیت ہے' وہ دل میں ہوتا ہے۔ دل میں یقین ہے یا نہیں' اس کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے۔ آج بھی ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ اور ذریعہ موجود نہیں ہے جس کی مدد سے ہم یہ طے کر سکیں کہ کسی کے دل میں ایمان ہے یا نہیں ہے۔ لہٰذا دنیا میں مسلمان معاشرے میں کسی کی شرکت و شمولیت اور اسلامی ریاست کی شہریت کی بنیاد اسلام ہے' ایمان نہیں ہے۔ البتہ آخرت میں ہمارا جو انجام ہونا ہے اس کی بنیاد ایمان ہے۔

"ایمان" کی جامع و مانع تعریف

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حقیقی ایمان کسے کہتے ہیں اور اس کے خصائص کیا ہیں! ـــــ یہ اس سورۂ مبارکہ کی اگلی آیت کا موضوع ہے' جس کا اب ہم مطالعہ کرتے ہیں۔

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ ﴾

"مومن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر' پھر شک میں نہیں پڑے' اور انہوں نے جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ صرف یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔"

یہ آیت مبارکہ بھی اپنے مضمون کے اعتبار سے قرآن مجید کا نقطۂ عروج ہے۔ وہ مضمون یہ ہے کہ ایمانِ حقیقی کی تعریف کیا ہے؟ جب یہ واضح ہو گیا کہ ایمان اور ہے' اسلام اور ہے تو فطری طور پر ایک سوال ذہن میں ابھر کر آئے گا کہ "ایمان" کسے کہتے ہیں! چنانچہ یہ وہ مقام ہے جسے میں ایمان کی جامع و مانع تعریف قرار دیتا ہوں۔ جامع و مانع

تعریف ایک تو اس پہلو سے ہے کہ سیاقِ کلام میں ایمان اور اسلام کا علیحدہ علیحدہ بیان ہوا ہے۔ ویسے ایمان کی کیفیات قرآن مجید میں جابجا بیان ہوئی ہیں۔ ایمان کے ثمرات اور اس کے نتائج کے بارے میں ہم سورۃ التغابن میں تفاصیل پڑھ چکے ہیں' جس کا دوسرا رکوع ایمان کے ثمرات' ایمان کے نتائج' ایمان کے مقتضیات اور ایمان کے مضمرات ہی کے موضوع پر تھا۔ لیکن یہاں یہ دیکھنا ہے کہ سیاقِ کلام کیا ہے! وہ ہے ایمان اور اسلام کا فرق۔ لہٰذا اس پس منظر میں یہ مضمون آ رہا ہے کہ مؤمن تو بس وہ ہیں جن میں وہ دو شرطیں پوری ہوں جو اس آیت مبارکہ میں بیان ہو رہی ہیں —— گویا یہ ایمان کی تعریف (definition) کا مقام ہے —— دوسرے اس پہلو سے کہ اس آیت مبارکہ کے شروع میں بھی اسلوبِ حصر ہے اور اختتام پر بھی۔ "حصر" ایک اصطلاح ہے' اس کو اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جاسکے گا کہ ہم ایک جملہ کہتے ہیں "زید عالم ہے" اور ایک کہتے ہیں کہ "زید ہی عالم ہے"۔ اب غور کیجئے کہ ان دو جملوں میں کیا فرق واقع ہوا؟ پہلے جملے "زید عالم ہے" میں زید کے عالم ہونے کا اثبات ہوا لیکن کسی دوسرے کے عالم ہونے کی نفی نہیں ہوئی۔ یعنی زید کے علاوہ کوئی اور بھی عالم ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس جملے میں کہ "زید ہی عالم ہے" زید کے عالم ہونے کا اثبات اور دوسروں کے عالم ہونے کی نفی ہو رہی ہے۔ یعنی زید کے سوا اور کوئی عالم نہیں ہے۔ گویا علم منحصر ہے زید میں۔ اس کو اسلوبِ حصر کہتے ہیں۔ چنانچہ آیت کے شروع میں آیا : ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ ... ﴾ معنی ہوں گے "مومن تو بس وہ لوگ ہیں" یا "مؤمن تو صرف وہ لوگ ہیں"۔ آخر میں بھی اسلوبِ حصر ہے : ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾ "صرف یہی لوگ سچے ہیں"۔ یعنی دعوائے ایمان تو انہوں نے بھی کیا تھا جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا : ﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ﴾ ایمان کے مدعی اور دعوے دار تو بہت سے ہیں' لیکن اس دعوائے ایمان میں سچے صرف وہ ہیں جو ان شرطوں کو پورا کریں جو اس آیت مبارکہ میں بیان کی جارہی ہیں۔

ایمان اور جہاد کا تعلق

آیت کے اس اوّل و آخر کو سمجھ کر اب آیئے یہ دیکھیں کہ اس آیت کا اصل مضمون اور اصل content کیا ہے! —— آیت پر تھوڑے سے غور سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایمانِ حقیقی کے دو لوازم ہیں۔ یا اگر بغرضِ تفہیم فقہی اصطلاح استعمال کی

جائے تو کہا جائے گا کہ ایمانِ حقیقی کے دو ارکان ہیں۔ دیکھئے کہ ارکان اسلام سے ہر مسلمان واقف ہے جو حدیث میں بیان ہوئے ہیں: ((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (بخاری و مسلم) "اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: کلمۂ شہادت' نماز' زکوٰۃ' حج اور صومِ رمضان"۔ یہ پانچوں کیا ہیں؟ یہ ارکانِ اسلام ہیں؟ اسلام کے ستون ہیں! ـــــ اس اصطلاح کو ذہن نشین کر لیجئے اور دیکھئے کہ اس آیت مبارکہ کی رو سے ایمان کے دو ارکان کیا ہیں! پہلا رکن ہے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر وہ ایمان جس میں شکوک و شبہات باقی نہ رہیں۔ یہاں بھی دیکھئے کہ "ریب" سے فعل مضارع "یَرْتَابُوْا" سے پہلے "لَمْ" آیا۔ معنی ہوئے "ہرگز شک نہ کریں"۔ یعنی شکوک و شبہات کے کانٹے بالکل نکل چکے ہوں۔ معلوم ہوا کہ یہ ہے "یقین قلبی" ـــــ یہ فکر و نظر یعنی عقیدے کا اخلاص ہوا۔ یہ ہے ایمانِ حقیقی کا پہلا رکن۔ دوسرا رکن عمل سے متعلق ہے اور وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ' اپنے اموال اور اپنی جانوں سے۔ پس ایمانِ حقیقی کے دو ارکان ہوئے' ایک "یقین" جو قلب میں ہوگا اور دوسرا "جہاد" جو عمل میں ہوگا۔

یہاں ایک نکتہ مزید سمجھ لیجئے۔ ایمانِ مجمل کے الفاظ ہیں: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَ صِفَاتِهٖ وَ قَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ۔ ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ ایمان کے دو پہلو یا دو درجے ہیں۔ ایک زبان سے اقرار اور دوسرا دل سے تصدیق یا قلبی یقین۔ اب ان میں سے پہلا درجہ یعنی اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ ایمانِ قانونی یا اسلام کا رکن ہے ـــــ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہ تصدیق ہے' testimony ہے۔ ایک شخص زبان سے اقرار کرے کہ میں مانتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور تسلیم کرے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں' تو اس اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ کی حیثیت اسلام کے رکن کی ہوگی جبکہ تصدیق بالقلب ایمانِ حقیقی کا رکن ہوگا۔

ایمانِ حقیقی کے دو ارکان میں سے پہلے رکن یعنی یقین قلبی پر پہلے بھی گفتگو ہو چکی ہے کہ اس کے کیا آثار ہیں! یقین موجود ہے تو اس کے کیا نتائج و ثمرات انسان کے عمل میں ظہور پذیر ہوں گے! ان امور کا ہم سورۃ التغابن میں تفصیل سے مطالعہ کر چکے ہیں۔

لہٰذا اب ہمیں گفتگو کو زیادہ مرتکز کرنا ہو گا دوسرے رکن یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع پر۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ رکن ہے ایمانِ حقیقی کا' یعنی اگر یہ موجود ہے تو حقیقی ایمان موجود ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو ایمانِ حقیقی حاصل نہیں ہے۔

"جہاد فی سبیل اللہ" کی اصل حقیقت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے کیا؟ جہاد کے بارے میں ہمارے یہاں دو بڑے بڑے مغالطے ہیں۔ ایک یہ کہ جہاد کے معنی جنگ کے لئے جاتے ہیں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے' اس کی بلند ترین چوٹی جنگ ہے۔ اس کی وضاحت آگے بیان کی جائے گی۔ ویسے جنگ کے لئے قرآن مجید کی اصطلاح قتال فی سبیل اللّٰہ ہے ـــــ "جہاد" کا لفظ "جہد" سے بنا ہے' اور جہد کے معنی کوشش کے ہیں۔ جدوجہد کا لفظ ہم بولتے ہیں۔ "قتال" کا لفظ "قتل" سے بنا ہے' اس کے معنی جنگ کے ہیں۔ دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ مسلمان جو بھی جنگ کرے' جہاد ہے۔ یہ گویا بنائے فاسد علی الفاسد ہے' یعنی ایک غلط بات پر ایک اور غلط بات کی بنیاد رکھ دینا۔ مسلمان کی صرف وہ جنگ قتال فی سبیل اللہ یا جہاد کی چوٹی کے اعتبار سے جہاد فی سبیل اللہ ہو سکتی ہے جس کا مقصد صرف اللہ کے کلمہ کو سربلند کرنا ہو۔ اگر وہ ہوسِ ملک گیری کی غرض سے ہے' اپنے دنیوی اقتدار کی توسیع کے مقصد کے تحت ہے تو وہ قتال یا جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان دونوں مغالطوں کو ذہن سے نکال دیجئے اور اب مثبت طور پر سمجھئے کہ جہاد کسے کہتے ہیں!

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس کا مادہ (root) جہد ہے' اور جہد کے معنی کوشش کے ہیں۔ انگریزی میں اسے یوں ادا کریں گے "to strive for something"۔ یہ جُہد ہے ـــــ لیکن مجاہدہ یا جہاد کے الفاظ میں ایک اضافی معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مجاہدہ وہ ہو گا جہاں جہد' جہد سے ٹکرائے' جہاں کوشش کا کوشش سے مقابلہ ہو۔ عربی زبان میں بابِ مفاعلہ میں جو الفاظ آتے ہیں ان میں اکثر الفاظ میں آپ کو یہ خاصیت ملے گی کہ دو فریق بالمقابل آ کر ایک ہی عمل کر رہے ہوں اور ایک دوسرے کو زیر کرنا چاہتے ہوں۔ جیسے مباحثہ ہے۔ مباحثہ میں دو فریق ہوتے ہیں' اس کا ایک موقف ہے' دوسرے کا کوئی دوسرا موقف ہے۔ یہ اپنے حق میں دلیل دے گا' وہ اپنے حق میں دلیل دے گا۔ یہ اُس کی دلیل کو کاٹے گا' وہ اِس کی دلیل کو کاٹے گا۔ یہ مباحثہ ہے۔ اسی طرح مقابلہ کے معنی ہیں

ایک دوسرے کے سامنے آنا۔ مقاتلہ یا قتال کے معنی ہوئے ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش کرنا۔ چنانچہ جہاد یا مجاہدہ یہ ہے کہ جہد' جہد سے ٹکرا رہی ہو' کوششوں کا تصادم ہو رہا ہو۔ فارسی میں اس کو کشمکش اور کشاکش سے تعبیر کریں گے۔ انگریزی میں اس کے لئے struggle بالکل صحیح لفظ ہے۔ struggle یقیناً کسی resistance کے خلاف ہوتی ہے' کسی مزاحمت کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کے بعد صلہ یعنی preposition کے طور پر against آتا ہے۔

اب دیکھئے' دنیا میں کیا ہوتا ہے! ایک شخص کا ایک نظریہ ہے' دوسرے کا دوسرا۔ مثال کے طور پر ایک شخص مارکسسٹ ہے' دوسرا شخص مغربی جمہوری سرمایہ دارانہ نظام کا قائل ہے۔ یہ بھی اخلاص کے ساتھ اپنے نظریئے کا قائل ہے اور وہ بھی اپنے نظریئے میں مخلص ہے۔ ان دونوں کے درمیان تصادم ہو کر رہے گا۔ یہ تصادم پہلے نظریاتی سطح پر ہو گا۔ وہ اپنے نظریئے کی تشہیر کرے گا' یہ اپنے نظریئے کو پھیلائے گا۔ وہ اپنے ہم خیال لوگوں کی جماعت بنائے گا' یہ اپنے ہم خیالوں کی تنظیم بنائے گا۔ پھر ان کے درمیان کشمکش ہو گی۔ جو جیت جائے گا' اس کے نظریہ کے مطابق اس ملک میں نظام قائم ہو جائے گا۔ لہٰذا واقعہ یہ ہے کہ اگر خلوص کے ساتھ کسی نظریہ کو تسلیم کیا گیا ہو تو اس کے لئے جدوجہد اور مجاہدہ ناگزیر ہے۔ اگر نہیں ہو رہا ہے تو یہ قطعی طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ شخص اپنے نظریئے میں مخلص نہیں ہے۔ مخلص اور صاحب کردار انسان ہو گا تو وہ اپنے نظریئے کی دعوت و تبلیغ کے لئے جدوجہد کرے گا اور اسی عمل کا نام جہاد ہے۔

پس اگر کسی شخص کو یقین حاصل ہے اللہ پر' اس کی توحید پر' اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر' قرآن پر اور اسلام پر تو لامحالہ اس کے اس یقین کا ظہور اس کے عمل میں اس طریق سے ہو گا کہ وہ اسلام کے لئے جدوجہد کرے گا' محنت کرے گا' کوشش کرے گا۔ اسلام کو پھیلائے گا' ایمان کی دعوت عام کرے گا' ان لوگوں کو جمع کرے گا جو اسلام کے لئے جان اور مال دینے کے لئے تیار ہوں۔ وہ اسلامی نظام کے قیام کے لئے struggle کرے گا۔ اگر ایمانِ حقیقی دل میں ہے تو یہ ہو کر رہے گا اور اگر یہ نہیں ہو رہا ہے تو دلی یقین والا ایمان موجود نہیں ہے۔ یہ ہیں معنی اس کے کہ جہاد رُکن ہے ایمان کا۔

جہادفی سبیل اللہ کے مراتب و مراحل

اب ذرا جہاد کے مراتب اور درجات کو بھی سمجھ لیجئے۔ اس کے لئے ایک تین منزلہ عمارت کو ذہن میں رکھئے۔ اس کا پہلا اور اہم ترین درجہ مجاہدہ مع النفس ہے۔ آپ نے اللہ کو مانا ہے' رسول ﷺ کو مانا ہے' قرآن کو مانا ہے' شریعت کو مانا ہے' لیکن آپ کا نفس آپ کو کسی اور طرف لے جانا چاہ رہا ہے ——— شریعت نے کہا ہے کہ سود حرام ہے' مگر نفس آپ کو ترغیب دے رہا ہے کہ نہیں یہ تو کاروبار کو پھیلانے کے لئے' معاشی دوڑ میں آگے بڑھنے کے لئے ناگزیر ہے' اس کے بغیر کاروبار محدود رہے گا اور اس کی توسیع ممکن نہیں ہو گی' نتیجتاً میں معاشی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جاؤں گا۔ اب یہ کشمکش آپ کے باطن میں پیدا ہو گی۔ اسی طرح صبح کا وقت ہے' اذان بھی ہو گئی ہے' آپ نے سن بھی لی ہے۔ آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ اس وقت حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کی صدا' یہ پکار' یہ call اللہ کی طرف سے ہے' لہٰذا اب مسجد کا رخ کرنا اور نماز پڑھنا ہے۔ لیکن نفس کہتا ہے کہ نہیں' ابھی سوتے رہو' ابھی آرام کرو' کیوں صبح کی میٹھی نیند کو خراب کرتے ہو! تو اس نوع کی کشمکش ہر شخص کے اندر ہر آن' ہر وقت ہوتی رہتی ہے' اسے ہر لحظہ ایسی کشمکش سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اس میں اگر آپ اپنے نفس کے ساتھ کشمکش کریں' اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مطیع بنائیں' تو یہ مجاہدہ مع النفس ہے' یہ اپنے اندر کا جہاد ہے۔ اسے نبی اکرم ﷺ نے افضل جہاد قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِہَادِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تو آپؐ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاھِدَ نَفْسَکَ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ)) سوال یہ تھا کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟" جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ کہ تو اپنے نفس سے کشمکش کرے اور اسے اللہ کا مطیع بنائے"۔ بدقسمتی سے جہاد کا یہ تصور ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔

اندر کی شخصیت سے پھر یہ جہاد باہر نکلے گا تو اب ہو گا "مجاہدہ مع الکفر" ——— یعنی نظریاتی سطح پر آپ ایمان کی دعوت دیجئے۔ کفر' الحاد' مادہ پرستی اور اباحیت کے خلاف تبلیغ' تلقین اور وعظ و نصیحت کیجئے اور دلائل و براہین پیش کیجئے۔ نظریاتی سطح پر اسلام و ایمان کی دعوت اور فروغ کا کام کیجئے۔ ظاہر بات ہے کہ ان کاموں میں مال بھی کھپے گا' جان بھی کھپے گی اور وقت بھی لگے گا۔ اسی وقت کو صرف کر کے آپ پیسہ کما سکتے ہیں' لیکن

یہ وقت آپ کو دعوت و تبلیغ میں لگانا ہے۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری منزل ہوئی ـــــ پہلی مجاہدہ مع النفس اور دوسری مجاہدہ مع الکُفر۔

تیسری منزل ہے "مجاہدہ مع الکُفّار" ـــــ بات اب اگر آگے بڑھے گی تو کشمکش ہو گی۔ کفار اپنے نظریئے کا غلبہ چاہتے ہیں اور مؤمن دین کا غلبہ چاہتا ہے! لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ ان کے مابین پُرامن مفاہمت ناممکن ہے' لہٰذا تصادم ہو کر رہے گا۔ لیکن اس تصادم کے بھی مختلف مراحل ہوں گے۔ اس تصادم کا ابتدائی مرحلہ ہو گا صبر محض' جسے انگریزی میں Passive Resistance کہتے ہیں۔ مخالفین آپ پر تشدد کریں' آپ کو ستائیں' لیکن آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں' پیچھے نہ ہٹیں اور پھر جواباً ہاتھ بھی نہ اٹھائیں۔ یہ پہلا مرحلہ ہے۔ لیکن جب طاقت اتنی فراہم ہو چکی ہو کہ آپ جوابی کارروائی بھی کر سکیں تو اس کو Active Resistance کہیں گے۔ اب آپ بھی اقدام کریں۔ دیکھئے مکہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کیا حکم تھا! یہ کہ چاہے تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جائے' لیٹ جاؤ۔ تم جوابی اقدام نہیں کر سکتے' اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن اس کے بعد وہ وقت آیا کہ ہاتھ کھول دیئے گئے۔ آیت نازل ہو گئی : ﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾ یعنی آج سے اجازت دی جارہی ہے ان کو جن پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے گئے تھے کہ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں۔ اور اس تصادم مع الکفار کا آخری درجہ ہے Armed Conflict یعنی مسلح تصادم۔ اور یہ ہے جہاد کی وہ بلند ترین چوٹی' جہاں پہنچ کر جہاد قتال بن جائے گا' جس کے بارے میں الفاظ آئے : ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ﴾ مدینہ منورہ میں وہ وقت آیا کہ حکم آگیا کہ اب تم پر جنگ فرض کر دی گئی ہے۔

پس یہ جہاد فی سبیل اللہ کے تین مراحل ہیں۔ اس کی غرض و غایت کیا ہو گی؟ اللہ کے دین کا غلبہ' اللہ کے دین کو قائم کرنا۔ وہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے دیا' جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا' جو قرآن نے دیا اسے بالفعل نافذ کرنا۔ اس کے لئے پہلے مجاہدہ مع النفس ہے۔ یعنی اپنے اندر جو خدا کا دشمن موجود ہے' اسے زیر کرو ـــــ پھر مجاہدہ مع الکفر ہے۔ یعنی نظریاتی سطح پر اسلام و ایمان کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کرو۔ پھر مجاہدہ مع الکفار ہے' جس میں صبر محض' اقدام اور وقت آنے پر مسلح تصادم کے مراحل ہیں۔

اور یہ جان لیجئے کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ کی راہ میں جان دینے کی آرزو رکھنے کو بھی ایمان کا ایک اہم ترین رکن قرار دیا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ جنگ ہر وقت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر دل میں حقیقی ایمان موجود ہے تو یہ تمنا موجود رہنی چاہیئے کہ کاش میری زندگی میں وہ وقت آئے کہ خالصتاً قتال فی سبیل اللہ کا مرحلہ آئے اور میں اس میں اپنی گردن کٹا کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں سرخرو اور سبکدوش ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِّنَ النِّفَاقِ)) (صحیح مسلم) ”جس شخص کی موت اس حال میں واقع ہوئی کہ نہ تو اس نے اللہ کی راہ میں جنگ کی اور نہ ہی اس کے دل میں اس کی آرزو پیدا ہوئی تو اس شخص کی موت ایک نوع کے نفاق پر واقع ہوئی“ —— اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو شوقِ شہادت سے معمور فرمائے۔

جہاد شروع تو مجاہدہ مع النفس سے ہوتا ہے لیکن اس کی آخری منزل وہی قتال فی سبیل اللہ ہو گی۔ یہ نگاہ سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اگرچہ اس کی کچھ شرائط ہیں' وہ پوری ہوں گی تو آپ وہاں پہنچیں گے' لیکن یہ آرزو دل میں رہنا کہ ہماری زندگی میں وہ مرحلہ بھی آئے' ایمان کی شرط لازم ہے۔ اگر یہ نہیں تو ایمان نہیں ہے۔

پس ایمان کے دو رُکن ہیں جو اس آیت مبارکہ کے حوالے سے ہمارے سامنے آئے۔ اب آپ جمع کر لیجئے۔ جب اسلام اور ایمان دونوں یکجا ہو جائیں گے تو گویا اقرار باللسان بھی ہو گا اور تصدیق بالقلب بھی۔ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ اسلام کے ارکان کی حیثیت سے ہوں گے' جبکہ شک و شبہ سے مبرا ایمان دل میں اور جہاد فی سبیل اللہ بالنفس و بالمال عمل میں' یہ ایمان کے ارکان کی حیثیت سے ہوں گے' اور اس طرح گویا ایک بندۂ مؤمن کی شخصیت مکمل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس نقشے پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بحمد اللہ' امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کے دروس و تقاریر پر مشتمل

تیسری CD بعنوان **اسلام اور خواتین** تیار کر لی گئی ہے

جس میں اہم معاشرتی موضوعات کے بارے میں قرآن و سنت کی راہنمائی پر مشتمل 15 تقاریر شامل ہیں

تیار کردہ : شعبہ سمع و بصر' مرکزی انجمن خدام القرآن' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور